اشفاق حسین
کینیڈا

احمد فراز : آخری مشاعرہ ' آخری ملاقات

فراز صاحب سے پہلی ملاقات کراچی میں ۱۹۷۵ میں اس وقت ہوئی تھی جب انہیں یوم مئی کے مشاعرے میں اسلام آباد سے مدعو کیا گیا تھا۔- اُن دنوں کراچی میں ترقی پسند ساتھیوں کی دعوت پر وہ ہرسال اس مشاعرے میں شرکت کے لیے آتے تھے- ۔ایر پورٹ پر ان کا استقبال کرنے والوں میں اپنے دوست مجاہد بریلوی کے ساتھ ساتھ میں نے بھی زبردستی اپنا نام شامل کروالیا تھا کہ کم از کم ان کو قریب سے دیکھنے کا ایک موقعہ تو ملے گا- وہ ان کی شہرت اور مقبولیت کے عروج کا زمانہ تھا - لیکن اُن سے اصل شناسائی کا دور ٹورنٹو میں ۱۹۸۲ء سے شروع ہوا جب وہ ایک سیاسی جلاوطن شاعر کی حیثیت سے پہلی بار کینیڈا آئے اور پھر ۱۹۸۸ء کے بعد سے یہاں ان کی میزبانی کا مجھے شرف حاصل ہوا- یہ زمانہ ٹورنٹو کے حوالے سے اپنی ایک علاحدہ ادبی تاریخ رکھتا ہے-

آخری بار اُن سے واشنگٹن کے مشاعرے میں ملاقات ہوئی جو اُن کی زندگی کا آخری مشاعرہ ثابت ہوا-امریکہ کے پاکستانی نژاد ڈاکٹروں کی تنظیم 'اپنا' کے زیر اہتمام اس سال واشنگٹن میں چار روزہ کنونشن تھا جس میں سیاسی اور سماجی مذاکرے ' پروفیشنل سیمینار ' موسیقی کی محفلوں ' نمائش اور محفل مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا- پاکستان سے مدعوئین کی فہرست میں سیاست ' ادب اور ثقافت کے بڑے بڑے اسمائے گرامی شامل تھے جن میں احمد فراز صاحب کے علاوہ ضیا محی الدین ' بیرسٹر اعتزاز احسن ' جسٹس وجیہ الدین اور دوسرے بہت سے اہم نام تھے- مشاعرہ ۲۸ جون ہفتہ کے روز ہونا تھا جس کی صدارت احمد فراز صاحب فرمارہے تھے اور مہمان خصوصی پروفیسر گوپی چند نارنگ صاحب تھے - 'اپنا' کی ادبی کمیٹی نے اس سال مجھے بھی کینیڈا سے مشاعرے میں مدعو کیا تھا-

جمعہ ۲۷ جون کی شام جب میں واشنگٹن پہنچا تو وہاں ہال میں بہت سے لوگ نظر آئے جن میں ایک طرف توپاکستان کے سفیر برائے امریکہ حسین حقانی تھے تو دوسری طرف وکلا تحریک کے روح رواں اعتزاز احسن تھے اور وہ دونوں اپنے اپنے ہم خیال لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے لیکن ادبی برادری کا کوئی بھی فرد اس وقت مجھے وہاں نظر نہ آیا- معلوم ہوا احمد فراز اور پروفیسر گوپی چند نارنگ اور دیگر مہمان دوسرے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں جو کنونشن کی اصل جگہ سے تھوڑے سے فاصلے پر تھا - میری بکنگ بھی وہیں تھی - ہوٹل میں چیک ان کرنے کے بعد جب میں نے ان حضرات کو فون کیا تو وہاں کوئی موجودنہ تھا میں نے ان کے لیے پیغام ریکارڈ کروا دیا-

دوسری صبح ابھی سو کر بھی نہ اٹھا تھا کہ فراز صاحب کا فون آیا کہ فوراً کمرے میں آجاؤ-ان کے کمرے میں پہنچا تو وہاں افتخار نسیم سے بھی ملاقات ہوگئی- افٹی نسیم اس سے ایک دن پہلے ہونے والے پنجابی مشاعرے میں شرکت کے لیے شکاگو سے آیا تھا اور واپسی کے لیے اپنا سامان ہاتھ میں لیے ہوئے تھا- مجھے دیکھتے ہی ہنستے ہوئے بولا کہ اچھا اب میں چلا اور فراز صاحب تمہارے حوالے ' گھنٹے بھر سے میں کہے چلا جارہاہوں کہ میری فلائٹ مس ہوجائے گی مگر یہ جانر ہی نہیں دیتر کہ میں اکیلا ہو جاؤں گا- فراز صاحب نر افٹی کی پیٹھ پر ہاتھ تھپتھپاتر ہوئر کہا کہ ٹھیک ہر

ٹھیک ہے اب تم جاؤ ' اب میں اکیلا نہیں ہوں –

فراز صاحب مجھ سے ہمیشہ کی طرح بڑی محبت سے بغلگیر ہوئے – میں ان سے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد مل رہا تھا – مجھے وہ بہت کمزور نظر آئے – کہنے لگے کہ معمولی سا اسٹروک ہوا تھا لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں – حالانکہ ان کے چہرے پر بالکل ٹھیک والے اثرات بالکل نہ تھے – انہوں نے اسلام آباد میں سال گزشتہ ہونے والے اپنے اسٹروک کا پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح آدھی شب کے بعد انہیں ہلکا سا اسٹروک ہوا مگر فوراً اسپتال جانے کے بجائے صبح کا انتظار کرتے رہے کہ کون اتنی رات گئے ڈاکٹروں کو تکلیف دے – انہوں نے پاکستانی ڈاکٹروں کی دل کھول کر داد دی کہ جنہوں نے بے حد خلوص اور توجہ سے ان کی دیکھ بھال کی – کہنے لگے کہ اسلام آباد کے اسپتال میں تین یا چار دن تک میں بیڈ پر ہی تھا کہ پھر اچانک میں نے سوچا کہ یہاں پڑے پڑے بور ہورہا ہوں 'کیوں نہ بستر سے اٹھ کر اسپتال کا چکر لگایا جائے – سو میں نے ایک خاصا بڑا چکر لگایا اور جب واپس بستر پر آیا تو ڈاکٹروں کو بھی حیرانی تھے کہ یہ سب کچھ کیوں کر ہوا – سب ڈاکٹروں کی متفقہ رائے تھی کہ ایسا Few in Millions ہوا کرتا ہے – ابھی وہ اپنی بیماری کے واقعے کا ذکر ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی – دوسری طرف پروفیسر گوپی چند نارنگ تھے – فراز صاحب کہا یار اُن سے کہدو کہ وہ بھی یہیں آجائیں – نارنگ صاحب نے کمرے میں آنے کے بجائے نیچے لابی میں ملنے کو کہا تاکہ کچھ دیر باہر گھوم پھر لیا جائے –

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں نیچے لابی میں نارنگ صاحب کا انتظار کر رہے تھے – اس دوران بہت سے لوگ جن میں زیادہ تر ڈاکٹر تھے اور اسی کنونشن میں شرکت کے لیے آئے تھے ' فراز صاحب سے آ آ کر ہاتھ ملا رہے تھے – ایک ڈاکٹر صاحب نے انہیں اپنی بیوی سے ملواتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کی بہت بڑی مداح ہیں اور اس کنونشن میں صرف اور صرف آپ کو سننے کے لیے آئی ہیں – خاتون نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور تصویر کھنچوانے کے ساتھ ساتھ ان سے کہنے لگیں کہ آج کی صبح میری زندگی کی بہت خوب صورت صبح ہے ' میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ کو ' رات مشاعرے ہی میں دیکھ سکوں گی مگر حسن اتفاق دیکھیے کہ یہاں آپ کو اتنی نزدیک سے دیکھنے اور آپ سے ملنے کا موقعہ مل گیا – اسی دوران نارنگ صاحب بھی ڈاکٹر عبد الرحمان عبد کے ساتھ آگئے اور طے یہ پایا کہ دن بہت خوشگوار ہے باہر نکل کر کسی جگہ چائے پی جائے – فراز صاحب نے شرط لگادی کہ ریسٹورنٹ ایسا ہونا چاہیے جس کے باہر بیٹھ کر سگریٹ بھی پی جا سکے – وہ شراب کے بغیر تہ رہ سکتے تھے لیکن سگریٹ کے بغیر ان کا گزارا مشکل تھا – مجھے اچانک دس بارہ سال پہلے کا ٹورنٹو کا ایک واقعہ یاد آگیا جب ان کی ایک مداح نے ان سے کہا فراز صاحب آپ اتنے اچھے شاعر ہیں مگر سگریٹ کیوں اتنا پیتے ہیں؟ فراز صاحب ہنسنے لگے تو خاتون نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے ذرا بردباری سے کہا کہ جدید تحقیق کے مطابق ساٹھ فیصد سے زیادہ لوگوں کو سگریٹ کی وجہ سے ہی کینسر ہوتا ہے – فراز نے برجستہ جواب دیا کہ تحقیق بالکل ٹھیک ہے اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں ان چالیس فیصد لوگوں میں سے ہوں جن کو سگریٹ پینے سے کینسر نہیں ہوتا لہٰذا آپ مجھے سگریٹ پینے دیں – خاتون مسکرا کر رہ گئیں –

فراز صاحب ' گوپی چند نارنگ صاحب اور ہم سب لوگ ہوٹل سے نکلے - آج واشنگٹن میں موسم بہت اچھا تھا ' بہت سارے لوگ جاگنگ کرتے ہوئے نظر آئے - لیکن میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ فراز صاحب کو چلنے میں کچھ دشواری پیش آرہی ہے - وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور ان کے بولنے کے انداز میں بھی وہ روانی نہیں تھی جو اُن کی پہچان تھی - اب ہمیں کسی ایسے ریسٹورنٹ کی تلاش تھی جہاں فراز صاحب اطمینان سے بیٹھ کرسگریٹ پی سکیں - بڑی مشکلوں کے بعد ایک دیسی ریسٹورنٹ میں ایسی سہولت نظر آئی - ہم لوگ باہر بیٹھ کر چائے پینے اور گپ شپ کرنے لگے - اس دوران بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی ادھر سے گزرتے ہوئے فراز صاحب سے علیک سلیک کرتے رہے - فراز صاحب اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن ہم لوگ کانفرنس کے اُس سیشن میں ضرور شرکت کرنا چاہتے تھے جس میں ایک ہی اسٹیج پر حسین حقانی ' اعتزاز احسن اور جسٹس وجیہ الدین اپنے خیالات کا اظہار کرنے والے تھے - فراز صاحب کے اٹھنے اٹھنے نے اتنی دیر کردی کہ ہم وہاں وقت پر نہ پہنچ سکے جس کا ہمیں بے حد افسوس تھا - کانفرنس میں جانے سے پہلے فراز صاحب واش روم میں چلے گئے اور نارنگ صاحب اور میں ان کے انتظار میں باہر کھڑے رہے - خلافِ توقع کافی وقت لگ گیا - جب پندرہ بیس منٹ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا تو نارنگ صاحب نے مجھ سے کہا اندر جاکر دیکھیے خیریت تو ہے - اتنے میں فراز صاحب مسکراتے ہوئے باہر آگئے - انہوں نے ہم سے کچھ کہا تو نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں گردے کی تکلیف تھی جس کا اظہار بعد میں ہوا - ہم لوگوں نے وہیں دوپہر کا کھانا کھایا اور تھوڑی دیر بعد اپنے ہوٹل میں واپس آگئے - فراز صاحب تنہا نہیں رہنا چاہتے تھے انہوں نے نارنگ صاحب اور مجھ سے کہا کہ کچھ دیر کمرے میں بیٹھیں مگر ہم دونوں کا خیال تھا کہ رات کو مشاعرے میں دیر تک جاگنا ہوگا لہٰذاتھوڑی دیر آرام کر لیا جائے - طے یہ ہوا کہ شام سات بجے ملیں گے مگر میں ابھی کمرے میں سونے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف احمد فراز ' فیض صاحب کے انداز میں کہہ رہے تھے بھئی کہاں رہ گئے ؟ اب تواندھیرا ہونے والا ہے - میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو ابھی شام کے صرف ساڑھے پانچ بجے تھے اور ہم لوگ انہیں چار بجے کے قریب اُن کے کمرے میں چھوڑ کر آئے تھے - میں نے کہا فراز صاحب ہمیں تو سات بجے ملنا تھا - کہنے لگے ارے چھوڑیں سات بجے کو ' بس فوراً آجائیں - تیار ہوکر جب میں ان کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ بستر پر آرام کرنے کے بجائے کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں - کہنے لگے یار یہ کافی میکر یہاں رکھا ہوا ہے مگر مجھے اس کا طریقہ ء استعمال نہیں معلوم - اگر آپ بناسکیں تو ٹھیک ہے ورنہ روم سروس کو آرڈر کردیں - کافی بنانے کے لیے پانی لینے جب میں‌واش روم میں گیا تو وہاں ان کے موزے گیلے پڑے ہوئے تھے جن سے پیشاب کی بو سی آرہی تھی اور شاید انہوں نے سکھانے کے لیے ڈالا ہوا تھا - میں نے کافی میکر میں پانی ابالنے کے لیے رکھا اور واپس جاکر ان کے موزے دھوئے اور اس خیال سے کہ رات کو مشاعرے میں جانے تک شاید یہ موزے سوکھ نہ سکیں تو کمرے میں رکھی ہوئی استری آن کر کے اسے سکھانے لگا - فراز صاحب وہیں کرسی پر براجمان تھے کہنے لگے کیا کر رہے ہو ؟ میں نے کہا موزوں پر استری کر رہا ہوں تاکہ جلدی سوکھ جائیں - کہنے لگے نہیں ' نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس دوسرے موزے ہیں ' میں وہ پہن لوں گا - آپ بس ادھر آجائیں - میں نے اپنے اور ان کے لیے کافی تیار کی اور کچھ پاکستان کی سیاست کا ذکر چل نکلا - فراز صاحب پیپلز پارٹی کی موجودہ سیاسی روش سے خاصے آزردہ تھے - کہنے لگے یہ وہ پیپلز پارٹی نہیں جو بھٹو کی پارٹی تھی - پھر خود ہی بتانے لگے کہ وکلا کے احتجاجی لانگ

مارچ کے اختتام پر جو جلسہ اسلام آباد میں ہوا تھا اُس میں انہوں نے اس شرط پر شرکت کی تھی کہ وہاں جلسہ گاہ میں پیپلز پارٹی کے بھی جھنڈے نظر آنے چاہئیں – ان کی رائے کا قطعی علم ہونے کے باوجود میں نے جب ان سے پوچھا کہ کیا پرویز مشرف صاحب اقتدارچھوڑ دیں گے تو انہوں نے پورے وثوق کے ساتھ کہا کہ ایسا آسانی سے ہرگز نہیں ہوگا– فوجی جب ایک بار اقتدار کا مزہ چکھ لیتا ہے تو پھر اس کا نشہ آسانی سے نہیں اترتا– اس موقعے پر انہوں نے جنرل ایوب خان کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا جو ۱۹۵۸ء کے مارشل لا سے متعلق تھا– کہنے لگے اُس زمانے میں کراچی میں ملک اشرف ایک بڑے بزنس مین تھے ' ان کے بھتیجے یا بھانجے نے مجھے بتایا کہ ان دنوں جنرل ایوب خان نے ملک اشرف سے ایک میٹنگ کی اور اس سے کہا کہ حکومت کی نیت کچھ ٹھیک نہیں لگتی – وہ شاید اس بار میری ملازمت میں توسیع نہ کرے تو میں سوچتا ہوں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد کوئی کاروبار کروں– چنانچہ تم مجھے کوئی مشورہ دو– ملک اشرف نے کہا کہ کاروبار کے لیے تو سرمایہ درکار ہوتا ہے تم بتاؤ کہ تمہارے پاس کتنا سرمایہ ہے؟ ایوب خاں نے حساب کتاب لگا کر جس میں پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اور دوسری جمع پونجی بھی شامل تھی سب گن کر بتایا تو کل رقم تقریباً چار ساڑھے چار لاکھ روپے بنتی تھی – (اس وقت یہ رقم بھی خاصی ہوا کرتی تھی) ملک اشرف نے کہا یہ پیسے تو بہت کم ہیں – کوئی فیکٹری ویکٹری تو نہیں لگ سکتی البتہ ان پیسوں میں ایک کاروبار ہوسکتا ہے جو آج کل بہت فائدہ مند ہے اور وہ کاروبار گارمنٹ ایکسپورٹ کرنے کا ہے– یورپ میں ہمارے ریڈی میڈ گارمنٹس کی بہت ڈیمانڈ ہے– ایوب خان نے کہا تو کیا میں کمانڈر انچیف بننے کے بعد اب کپڑے بیچوں گا؟ بات آئی گئی ہوگئی اور پھر کچھ دنوں ہفتوں یا مہینوں کے بعد پاکستان میں ایوب خاں نے مارشل لا لگادیا– فراز صاحب کہنے لگے جب فوجی جنرل چھاؤنیوں سے نکل کر اقتدار کی چمک دمک دیکھتے ہیں تو ان کے دماغ خراب ہوجاتے ہیں – وہ ایوب خاں ہو' یحیٰ خاں ہو' ضیاالحق ہویا جنرل مشرف ' اقتدار ملنے کے بعد سب ایک ہی طرح کے ہوجاتے ہیں–

گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے میں نے ان سے ایک اور سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جب جنرل ضیا الحق نے مارشل لا لگایا تو تمام رائٹ ونگ قوتوں نے جن میں جماعت اسلامی ' جمیعت علمائے اسلام ' جمعیت علمائے پاکستان ' تمام مذہبی جماعتوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ ' وکلا اور صحافیوں نے غرض یہ کہ جن جن کا بھی تعلق یا جن جن کے بھی نظریات دائیں بازو والوں سے ملتے تھے ان سب ری ایکشنری طاقتوں نے ضیا الحق کی کھل کر حمایت کی اور اپنے مقاصد کو آگے بڑھایا تو اگر اتفاق سے ایک جنرل خود اپنے ذاتی اقتدار کی وجہ سے یا بیرونی طاقتوں کے دباؤ کے تحت روشن خیالی کی باتیں کر رہا تھا تو لیفٹ ونگ فورسز نے اس کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو مضبوط کیوں نہیں کیا ؟ اس پر فراز صاحب نے کہا کہ بھئی ہم لوگوں نے شروع میں تو اس کے لبرل خیالات کو سراہا تھا لیکن جلد ہی احساس ہوگیا کہ یہ سب کچھ بد نیتی کی بنیاد پر ہے تو ہم نے تو یہ کہہ کر اپنے اعزازات وغیرہ کو خود ٹھکرا دیا تھا کہ

اُس نے چاہت کے عوض ہم سے اطاعت چاہی
ہم نے آداب کہا اور اجازت چاہی

گفتگو کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ کانفرنس میں شرکت کرنے والے کچھ ڈاکٹر صاحبان فراز سے ملنے آگئے– ان میں سے ایک ڈاکٹر فراز صاحب کو شام کے وقت ڈرنک اور کھانے کے لیے لے جانا چاہتے تھے– مشاعرہ کمیٹی کے نگراں

ڈاکٹر سلمان ظفر اور ان کی بیگم ڈاکٹر شمیم نے مجھے خاص طور سے یہ ہدایت کی تھی کہ فراز کو کہیں ڈرنک وغیرہ کے لیے باہر کسی کے ساتھ نہ جانے دیں – چنانچہ فراز کے مداح سے میں نے کہا کہ منتظمین مشاعرہ نے تمام شعرا کے کھانے کا اہتمام دوسرے ہوٹل میں کر رکھا ہے البتہ آپ کو پینے پلانے کا جو انتظام کرنا ہے وہ یہیں کمرے میں کردیں– ڈاکٹر صاحب بڑے بھلے مانس انسان نکلے کہنے لگے جناب ہم تو فراز صاحب کے قدموں میں کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں شراب و کباب تو صرف ملاقات کی ایک وجہ تھی– چنانچہ انہوں نے کمرے ہی میں وہسکی کی ایک بوتل منگوالی اور تھوڑی دیر کے لیے فراز کا کمرہ ہی میخانے میں تبدیل ہو گیا اس لیے کہ زیادہ تر لوگ جو اُن سے ملنے آرہے تھے وہ ایک دو گھونٹ فراز صاحب کے نام پر ضرور پی رہے تھے – گھنٹے دو گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا اس دوران صرف اور صرف فراز کے شعر سنے جا رہے تھے مگر خود فراز نے اپنا ایک بھی شعر نہیں سنایا– ہر شخص کو اُن کے کچھ نہ کچھ اشعار یاد تھے– نیویارک سے آئی ہوئی ایک ڈاکٹر صاحبہ نے فراز کی نظم کالی دیوار کی فرمائش کردی– ڈاکٹر عبداللہ کو یہ نظم پوری یاد تھی انہوں نے نظم سنانے سے پہلے اس نظم کی وجہ تخلیق بتائی کہ فراز صاحب جب پہلی بار واشنگٹن آئے تو ڈاکٹر عبداللہ ان کو شہر کی سیر کرانے لے گئے– اور جب انہوں نے ویتنام میموریل دیکھا تو فراز صاحب پر ایک لمبی خاموشی طاری ہو گئی– شام کو گھر آنے کے بعد انہوں نے 'کالی دیوار' کے نام سے یہ نظم لکھی – کالی دیوار والی نظم اپنی اصل حالت میں ڈاکٹر عبداللہ کے پاس محفوظ رہ گئی تھی انہوں نے وہی نظم سنائی – کلیات میں شائع ہونے والی نظم میں کچھ مصرعے تبدیل ہو گئے تھے– پروفیسر نارنگ نے ڈاکٹر عبداللہ سے کہا کہ ان دونوں نظموں کو آپ اپنے تبصرے کے ساتھ کہیں شائع کروادیں تاکہ ریکارڈ پہ آجائے – غرض اسی قسم کی باتوں میں شام گزر گئی فراز صاحب بھی اپنا گلاس بہت آہستہ آہستہ خالی کر رہے تھے کہ یہ شغلِ میکشی کا دور تھا ہوسِ میکشی کا نہیں – بعد میں ہم لوگ پیدل چلتے ہوئے اپنے ہوٹل سے میریٹ ہوٹل میں آئے جہاں کھانے اور مشاعرے دونوں کاانتظام کیا گیا تھا –

مشاعرے کی نظامت میرے ذمے تھی جبکہ اس کی صدارت احمد فراز صاحب فرما رہے تھے اور پروفیسر نارنگ اس مشاعرے کے مہمان خصوصی تھے– اس مشاعرے کی ایک دلچسپ بات یہ بھی تھی کہ اس میں اعتزاز احسن نے بھی ایک شاعر کی حیثیت سے شرکت کی اور پورے مشاعرے میں اسٹیج پر بیٹھے رہے– شاید یہ ان کا پہلا بین الاقوامی مشاعرہ اور احمد فراز کاآخری مشاعرہ تھا– مشاعرے میں سب سے پہلے میزبان ڈاکٹروں نے اس کے بعد واشنگٹن کے شعرنے اپنا کلام سنایا جن میں خاص طور سے مونا شہاب ' ڈاکٹر عبد اللہ اور شکیل آزاد شامل تھے– اس کے بعد امریکہ اور کینیڈا سے آئے ہوئے شاعروں نے اپنا کلام سنایا جن میں میرے علاوہ حمیرا رحمان' ڈاکٹر تقی عابدی ' ڈاکٹر شہلا نقوی اور ڈاکٹر محمد شفیق شامل تھے– فراز صاحب سے پہلے اعتزاز احسن کو دعوتِ کلام دی گئی –ان کی شاعری سننے سے پہلے ہی ان کی شخصیت کا جادو حاضرین پر چڑھ چکا تھا – چنانچہ ان کا پرزور تالیوں میں استقبال ہوا اور انہوں نے اپنی طویل نظم میرا سفر سنا کر حاضرین سے خوب داد لی– مشاعرے کے صدر احمد فراز صاحب جب اپنا کلام سنانے آئے تو انہیں بھی خوب دل کھول کر داد دی گئی اور تالیوں کی گونج میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا– میں نے ہی نہیں بلکہ سب نے محسوس کیا کہ اب ان کے پڑھنے کے انداز میں وہ روانی اور وہ جوش و ولولہ نہیں تھا جو پہلے کبھی ہوا کرتا تھا اور یاد داشت نے بھی کسی حد تک ساتھ چھوڑ دیا تھا– لوگوں کی فرمائش پر جب انہوں نے اپنی مشہور نظم محاصرہ سنائی تو سینکڑوں بار پڑھی ہوئی

اس نظم کے بھی وہ کئی مصرعے بھول رہے تھے لیکن انہیں اسٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگ اور حاضرین دہرا رہے تھے- آخر میں مہمان خصوصی پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ہمیشہ کی طرح شہد کی سی مٹھاس میں ڈوبی ہوئی زبان میں اردو زبان کے موضوع پر تقریر کی اور واقعی تقریر کا حق ادا کردیا- مشاعرہ تقریباً تین بجے صبح ختم ہوا اور وہاں سے نکلتے نکلتے اور لوگوں سے ملتے ملتے چار بج گئے- ہم لوگ پیدل ہی اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے- ہوٹل میں پہنچتے ہی فراز نے کہا کہ بھوک لگ رہی ہے لہٰذا سونے سے پہلے کچھ کھا لینا چاہیے- چنانچہ میں اور نارنگ صاحب فراز کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئے اور میں نے فون پر کھانے کی کچھ چیزیں آرڈر کردیں- ہم لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو اچانک سورج کی روشنی سے پورا کمرہ جگمگانے لگا- نارنگ صاحب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ دونوں تو شاعر حضرات ہیں اور شاعروں کی راتیں تو کالی ہوتی ہی رہتی ہیں مگر اب چل کر کمرے میں تھوڑی دیر سو لینا چاہیے کیوں کہ بارہ بجے چیک آؤٹ کا وقت ہے اور ا س وقت صبح کے ساڑھے چھ بج چکے ہیں- بمشکل تمام فراز صاحب سے اجازت لے کر ہم لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف روانہ ہوئے- میں اپنے کمرے میں بے خبر سو رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے فراز صاحب کہہ رہے تھے کہ بھئی ساڑھے دس بج چکے ہیں ابھی تک آپ سو رہے ہیں؟ بس تیار ہو کر فوراً ادھر آجائیں-

ان کے کمرے میں جب پہنچا تو وہ اپنا سوٹ کیس پیک کرنے کی کوشش کر رہے تھے- میں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا اور ساتھ ہی ساتھ ان کو یاد دہانی بھی کراتا رہا کہ انہیں اگلے روز یعنی ۳۰ جون پیر کے دن کینیڈین سفارت خانے میں ویزا لینے ڈاکٹر عبداللہ کے ساتھ جانا ہے- ہوا یہ تھا کہ اس سال کے شروع میں انہیں میں نے کینیڈا آنے کی دعوت دی تھی مگر وہ اپریل کے مہینے میں جب امریکہ تک آئے تو کینیڈا کا ویزا اُن کے پاس نہیں تھا- مجھ سے وعدہ کیا کہ جون کے مہینے میں یہاں پھر آنا ہوگا تو اس وقت ٹورنٹو ضرور آؤں گا- مگر اس بار بھی وہ کینیڈا کا ویزہ لے کر نہیں آئے تھے- اب ظاہر ہے کہ جب تک ویزے وغیرہ کا انتظام پورا نہ ہوجائے مشاعرے کی تاریخ کا اعلان نہیں کیا جاسکتا تھا- میں نے ان کے پاکستان چلنے سے پہلے وہاں فون کیا تو کہنے لگے کہ میرا لندن میں محسن احسان کی عیادت کرنے کے لیے جانا بہت ضروری تھا اس لیے میں نے پہلے برطانیہ کے ویزے کے لیے اپلائی کیا مگر وہاں سے پاسپورٹ چند دنوں قبل ہی واپس آیا ہے لہٰذا اب آپ واشنگٹن کے مشاعرے میں شرکت کے لیے آرہے ہیں تو میرے لیے نیا دعوت نامہ وہیں لیتے آئیں ' میں وہیں واشنگٹن میں ویزے کی درخواست دوں گا- چنانچہ واشنگٹن پہنچ کر میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر عبداللہ سے رابطہ قائم کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ فراز صاحب کو لے کر کینیڈین سفارت خانے چلے جائیں - انہوں نے عدہ کیا کہ وہ ضرور کل صبح ہی جاکر ویزے کے لیے اپلائی کردیں گے-

ان کی پیکنگ مکمل ہوگئی تو میں نے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ان سے رخصت ہونے کی اجازت لی - فراز صاحب اٹھ کر بہت محبت سے بغلگیر ہوئے اور کہنے لگے کہ بس میں بھی ڈاکٹر عطیہ کا انتظار کر رہا ہوں وہ لوگ بھی آتے ہی ہوں گے- پھر میں ہوٹل سے چیک آؤٹ کرکے وہیں چلا جاؤں گا اور وہیں پر فون کے ذریعے رابطہ رہے گا-

نیچے ہوٹل کی لابی میں نارنگ صاحب اور تقی عابدی پہلے سے موجود تھے- ہم تینوں کو ایک ہی گاڑی میں ایرپورٹ جانا تھا- گاڑی آنے میں کچھ دیر تھی تو ہم لوگ وہیں ہوٹل کے کیفے ٹیریا میں کافی پینے بیٹھ گئے- ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فراز صاحب بھی اپنا سامان لے کر لابی میں آگئے - میں نے پوچھا کیا ڈاکٹر عطیہ آگئیں تو کہنے

لگے نہیں بس آتی ہی ہوں گی میں کمرے میں اکیلا تھا سوچا نیچے آجاؤں- مجھے افٹی کی کہی ہوئی بات ایک بار پھر یاد آگئی کہ اشفاق ' ان دنوں فراز صاحب اکیلے رہنے سے گھبرانے لگے ہیں- وہ بزم آرائی کے شوقین تھے اورہردم اپنے لوگوں اور مداحوں کے درمیان ہی رہنا چاہتے ہیں-

بہت سے لوگ اکثر کہتے ہیں کہ آخر اس عمر میں فراز صاحب کو اتنا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی - اب انہیں کون سمجھائے کہ یہی تو ان کی زندگی تھی - اچھی شامیں اور اپنی پسند کے لوگوں سے ملاقاتیں ان کی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری تھیں- ان کے بغیر فراز کی زندگی ' زندگی نہیں تھی-

بہر حال ڈاکٹر عطیہ کے آنے سے پہلے ہماری گاڑی آگئی اورہم سب لوگ ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوگئے- فراز صاحب سے ایک بار پھر گلے ملے مگر وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ثابت ہوگی-

کینیڈا آنے کے بعد پیر کی شام کو جب میں نے فون کیا تو فراز صاحب نے بتایا کہ وہ آج کینیڈین سفارت خانے گئے تھے مگر جب وہاں پہنچے تو اس وقت تک ویزا کاؤنٹر بند ہوچکا تھا اب کل صبح سویرے جاکر ویزا لوں گا- میں نے ان سے کہا کہ کل تو پہلی جولائی کی وجہ سے کینیڈا ڈے کی چھٹی ہوگی لہٰذا آپ دوسرے روز ۲ جولائی کوجائیے گا- ۲ جولائی کا پورا دن گزر گیا ان کی کوئی اطلاع نہیں ملی دوسرے دن ۳ جولائی کو ڈاکٹر عطیہ کے گھر ان سے فون پر بات ہوئی- میں نے ان سے ویزے کے بارے میں پوچھا تو فراز صاحب نے ہنستے ہوئے پورا قصہ سنایا- معلوم ہوا کہ ویزا لینے کے لیے جب کینیڈین سفارت خانے پہنچے تو ڈاکٹر عبداللہ نے انہیں بالکل دروازے پر اتارا اور یہ کہہ کر گئے کہ گاڑی پارک کر کے آتا ہوں- اس دوران فراز صاحب سیڑھیوں سے گر پڑے اور ان کے سر ' گھٹنے اور کہنی پر چوٹ آئی اور چہرے پر بھی کئی خراشیں پڑ گئیں-وہ کہنے لگے اس وقت میرے پورے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اب ایسی حالت میں تو میں مشاعرہ پڑھنے ٹورنٹو نہیں آسکتا بلکہ سوچ رہا ہوں کہ جلد از جلد گھر چلا جاؤں- میں نے بھی زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یقینا ایسی حالت میں ان کو پاکستان واپس چلے جانا چاہیے- پھر انہوں نے کہا کہ میری پاکستان واپسی کی سیٹ جتنی جلد ممکن ہو کنفرم کروادوں- دوسرے دن جب میں نے بکنگ نمبر لینے کے لیے فون کیا تو ڈاکٹر عطیہ نے بتایا کہ امریکہ میں پی آئی اے کے مینیجر سے بات ہوگئی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس کا بند وبست کروادیں گے- مجھے اطمینان ہوگیا کہ وہ جلد ہی بخیریت گھر پہنچ جائیں گے- فراز صاحب اس وقت سو رہے تھے لہٰذا ان سے بات نہ ہوسکی-

ایک ہفتہ کے بعد اطلاع ملی کہ فراز صاحب تو بہت بیمار ہیں اور وہ شکاگو کے اسپتال میں داخل ہوچکے ہیں تو مجھے بالکل یقین ہی نہیں آیا- میرے حساب سے تو انہیں اس وقت پاکستان میں ہونا چاہیے تھا یا وہیں واشنگٹن میں ڈاکٹر عطیہ کے گھر پر ہونا چاہیے تھا- بعد میں پتہ چلا کہ چونکہ ان کی سیٹ فوراً کنفرم نہ ہوسکی تھی لہٰذا وہ اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے پاس شکاگو چلے گئے تھے جہاں ان کی طبعیت زیادہ خراب ہوگئی اور وہ اسپتال میں داخل ہوگئے- شکاگو میں افٹی سے فون پر بات ہوئی تو اس نے تفصیل بتائی کہ وہ ابھی آئی سی یو میں ہیں اور ان کے ایک گردے نے بالکل ہی کام کرنا چھوڑدیا ہے- دوسرے دن خدا نخواستہ ان کے انتقال کی خبر پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی- تصدیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی مگر ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے دوسرے گردے نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا

ہے اور اب وہ آسانی سے کسی کو پہچان بھی نہیں رہے ہیں- ظاہر ہے اس دوران فراز صاحب سے رابطے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا- پھر پتہ چلا کہ ۱۳ اگست کو وہ ٹورنٹو سے پی آئی اے کی پرواز کے ذریعے اسلام آباد جائیں گے-

ٹورنٹو میں جب ایک ٹرمینل سے انہیں دوسرے ٹرمینل پر ایمبولینس کے ذریعے منتقل کیاجارہا تھا تو مجھے آخری بار انہیں ایرپورٹ پر دیکھنے کا موقعہ ملا- ان کے ساتھ ایک نرس اور ان کا بیٹا شبلی سفر کر رہے تھے- شبلی نے بتایا کہ وہ کسی کو پہچان نہیں رہے ہیں مگر انہیں اس وقت بہت حیرت ہوئی جب انہوں نے دیکھا کہ اسٹریچر پر لیٹے ہوئے احمد فراز کی آنکھوں میں تھوڑی سی جنبش ہوئی اور انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے ا پنا ایک ہاتھ آہستہ سے اٹھایا- کچھ دیر تک وہ میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیے رہے جیسے کہہ رہے ہوں کہ اشفاق دیکھو میں نے ٹورنٹو آکر تم سے اپنا کیا ہوا وعدہ نبھادیا- یہ اپنے دور کے ایک بہت خوب صورت شاعر سے میری آخری ملاقات تھی-